

سنان کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ آج صبح سے ہی اس کے لبھ میں تیزی تھی۔
وہ خود اپنی نظروں میں مجرم تھا اور اسی احساس جرم کے تحت پاسکل کے ساتھ اس کا
رویہ اتنا درشت ہو گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پاسکل کو کندھوں سے قحام لیا اور
نہایت نرمی سے کہنے لگا ”پاسکل۔— اس دیوی کو۔— اس دنیں کو اب بھی اپنے
حسن پر اتنا ناز ہے کہ لوگ اس کے کئے ہوئے بازوں کو بھول گئے ہیں۔— جمیں
معلوم ہے کہ تم بے حد حسین ہو۔— پاسکل تم بھی اپنے کئے ہوئے بازوں کو بھول
کیوں نہیں جاتیں؟“

”میں نہیں بھول سکتی“ اس نے آہستہ سے کہا۔

سنان نے اس کی ٹھوڑی تلنے انگلی رکھ کر اس کا چڑھا اور کیا ”میرے لیے۔
پاسکل۔“

وہ لگاتار سکیاں بھر رہی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں سے آنسوؤں کے فوارے
چھوٹ رہے تھے اور تمام چہرہ ترہ ترہ تھا۔

”میں نہیں بھول سکتی۔— نہیں بھول سکتی“ وہ بار بار کہہ رہی تھی اور پچوں کی
طرح سرہلا رہی تھی۔

کمرے میں جمع چد لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نظروں میں رحم اور
ہمدردی کی پرچھائیاں تھیں۔ سنان نے جیب سے رومال نکال کر اس کے آنسو پوچھئے
اور سمارا دے کر عجائب گھر سے باہر لے آیا۔

باہر ابھی تک دھوپ چک رہی تھی۔— ہر طرف زندگی تھی مگر ان تمام چیزوں
سے بے خبر پاسکل اپنے آپ میں کھوئی ہوئی تھی۔— آج چلتے وقت اس کے پاؤں
گھٹ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بے جان ہوں۔

سنان نے اپنے گیلے رومال سے تو لیزز باغ میں لگے ایک بچ کی سطح صاف کی اور
پاسکل کو وہاں بیٹھا دیا۔ وہ شام تک وہیں بیٹھے رہے۔ پاسکل خاموشی سے اس کے
کندھ سے پر سر رکھے روتنی رہی اور سکیاں بھرتی رہی۔ سنان چپ چاپ اس کے

آنزوں سے تر مخصوص چرے اور بھیگی ہوئی نیلی آنکھوں کو تکڑا رہا اور سوچتا رہا۔
آج پھر پاسکل کو اپنے اپاچ پن کا احساس اتنی شدت سے کیوں ہو رہا ہے؟ کیا وہ اس
کے بھید کو جان گئی ہے؟ وہ کیوں اپنے کئے ہوئے بازوں کو نہیں بھول جاتی یا پھر اسے
کمر پھر کرتی ہوئی بوڑھی عورتیں۔ لڑکیاں اور مرد بھلانے نہیں دیتے؟

شام ہوتے ہی باغ کے مختلف حصوں میں نصب شدہ قدیم کھبوبیں کی روشنیاں
جل اٹھیں۔ سرمئی اندر ہمرا دودھیا روشنی میں بدلتی گیا اور چھل پل شروع ہو
گئی۔ باہوں میں باہیں ڈالے نوجوان جوڑے جو پیرس کی پرفسوں شب کا حسن سمینے
ادھر آنکے تھے۔ غیر ملکی سیاح جو اپنے مختصر قیام کے دوران میں اسی حسن کا حصہ
باشنا ادھر چلے آئے تھے۔ ان کے پنچ کے گرد بے شمار چھوٹے چھوٹے بچے کھیل
کوڈ میں مگن تھے۔ ایک گڑیا سی لڑکی نے اپنا سرخ گیند اچھالا جو لڑکھتا ہوا پاسکل کے
قدموں میں آگیا۔ وہ گیند اٹھانے کے لیے جگلی تو گڑیا بھاگتی ہوئی ان کے پاس چلی
آئی۔ پاسکل نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور اسے گود میں اٹھایا۔

”فراں سوا۔ میڈیوزیل کا لباس خراب نہ کرو۔ تمہارے جو توں پر کچڑ لگا ہے“
ایک بوڑھی عورت جو گڑیا کے پیچھے چلی آئی تھی اس سے مخاطب ہو کر بولی اور پھر
پاسکل سے معدرت کر کے اسے گود سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی۔

لکنی خوبصورت پچھی تھی سنان۔ پاسکل نے پچھلے کئی گھنٹوں کے بعد پہلی مرتبہ لب
کھولے۔

”ہاں بے حد پیاری تھی“ سنان نے زندگی سے کہا۔
”تمہیں پچھے اچھے لگتے ہیں؟“ پاسکل نے اس کے کندھے پر سے سرا اٹھا کر
پوچھا۔

”پچھے؟“ وہ سوچ میں پڑ گیا ”ہاں۔۔۔ شاید اچھے ہی لگتے ہیں۔۔۔“
”شاید؟“

”ہاں اگر وہ پانچ چھ برس کی عمر سے کم کے نہ ہوں تو! چھوٹے پچھے دیکھ کر جانے

کیوں میں عجیب سا محسوس کرتا ہوں۔ مثلاً میرے دل میں کبھی بھی یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ میں کسی بچے کو گود میں اٹھا لوں” سنان جان بوجھ کر اس گفتگو کو طوال دریا چاہتا تھا تاکہ اس کا دھیان بٹا رہے۔

”مرد بے حد خود غرض ہوتے ہیں“ پاسکل نے دکھ سے کہا ”مجھے معلوم ہے جب تمہارے اپنے بچے ہوں گے تو تمہارے احساسات آج سے مختلف ہوں گے۔“
”اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”ہر لڑکی کی طرح مجھے بھی بچے بے حد اچھے لگتے ہیں۔— میری بھی یہ خواہش ہے کہ میرے اپنے بچے ہوں۔— میں بھی ماں بنوں“ پاسکل کی آنکھوں سے پھر آنسو بینے لگے اور وہ خاموش ہو گئی۔

”پلیز پاسکل! آخر اس میں روئے کی کون سی بات ہے؟“
”وپس کے مجتنے نے مجھے اپنے اپاچ پن کا احساس دلایا اور اس تنفسی منی بچی نے اسی اپاچ پن کی مجبوریوں کا۔— مجھے بچے اچھے لگتے ہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ میری شادی نہ ہو سکے گی۔— میں ماں نہ بن سکوں گی۔— تم شاید اسے نہ سمجھ سکو مگر ایک عورت کے لیے اس سے بڑا الیہ اور کیا ہو سکتا ہے۔“

”تم خواہ خواہ دل چھوٹا کرتی ہو۔—“ سنان نے اسے دلاسا دیا ”مجھے پورا لیکن ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ اجنبی ضرور آئے گا جس کا انتظار ہر لڑکی کو ہوتا ہے اور پھر۔۔۔“

میرا انتشار تو کب کا ختم ہو چکا۔— اب مجھے میں مزید انتشار کی تاب نہیں“
سنان خاموش ہو گیا۔

خنوڑی دیر بعد بونیوارڈ سان ٹرین کی جانب سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک گروہ شور چاتا ہوا برآمد ہوا اور وہ سب ان کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گئے ان میں اکثر شراب کے نئے میں دست تھے اور گندے فرانسیسی گانے الاپ رہے تھے۔
پاسکل بچ سے اٹھ کھڑی ہوئی ”میں کسی پر سکون جگہ بیٹھنا پسند کروں گی۔— چھولوں

کا بازار اس وقت بند ہو گا۔ چلو وہاں چلتے ہیں۔ ”اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔

”اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تو میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔“

”نہیں۔“ پاسکل نے تیری سے کما ”میرا مطلب ہے۔—اب میں بالکل ٹھیک ہوں“ اور مسکرانے کی کوشش کی۔

”جیسے تمہاری مرضی“ سنان نے بے دلی سے کہا۔

”تم شاید مجھ سے ہاضم ہو گئے ہو؟“ اس نے سنان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں

لے لیا۔

”نہیں تو۔“

”مجھے افسوس ہے کہ وہاں عجائب گھر میں اتنے سارے لوگوں کے سامنے تمہیں میری بے وقوفی کی وجہ سے شرمندگی اٹھانا پڑی۔—میں بے اختیار سی ہو گئی تھی سنان — آج صحیح جب میں نے تمہارے دیے ہوئے تختے کا کانڈہ کھولا تو ٹھیک گئی۔— وینس کا مجسمہ اور اس کے کٹے ہوئے بازو۔— مجھے ایسا لگا جیسے تم نے جان بوجھ کر مجھے میرے پاچ ہونے کا احساس دلایا ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ میری یہ سوچ درست نہ تھی۔— اور اب عجائب گھر میں میں نے جب اسی مجسمتے کا اصل روپ دیکھا تو تمہارے ایک بے ضرر سے فقرے سے میرے اندر پکنے والا لاوا امل پڑا۔— مجھے معاف کر دو۔— پلیز سنان!“

”خیر چھوڑو اس قصے کو۔ پاسکل اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔— آخر کب تک

اس محرومی کا ماتم کرو گی؟“

”اسی ایک محرومی نے تو سینکڑوں محرومیوں کو جنم دیا ہے۔ میں کس کس کا گلا

گھوٹوں؟“

”یہ محرومیاں تمہارے اپنے تختیل کی پیداوار ہیں۔“ سنان نے نرمی سے کہا ”جس روز تم نے اپنے آپ کو لوگوں کی نظر سے نہیں بلکہ اپنے اندر کی آنکھ سے دیکھنے کی ملاجیت پیدا کر لی یہ محرومیاں اپنی موت آپ مر جائیں گی۔— تم حسین ہو۔ ایک

سوچنے والا زہن رکھتی ہو اور پھر یہاں میری موجودگی کیا تمہارے اس اندر یہی کو پاٹل نہیں ثابت کرتی کہ لوگ اس خای کی بنا پر تمہیں رفاقت کی اہل نہیں سمجھتے؟“

”تم؟“ پاسکل بے اختیار مسکرا دی۔ اور اس کی پلکوں تلمی صاف شفاف نیل آنکھیں جھانکنے لگیں ”تم تو۔۔۔ تم ان سب لوگوں سے مختلف ہو سنان!“

”اس دنیا میں بے شمار لوگ میرے جیسے ہی ہیں۔۔۔ تم اپنے اس خود ازیتی کے خول سے باہر تو جھانک کر دیکھو۔۔۔“

”نی الحال مجھے اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ آؤ پھولوں کے بازار میں جا کر بیٹھنے ہیں“ اس نے سنان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی کمر کے گرد ڈال لیا۔

وہ تولیرز کے وسیع باغات میں سے چلتے ہوئے پھولوں کے بازار میں آگئے سنان کو یاد آیا کہ ابھی کل صبح ہی تو انہوں نے وہاں سے محفلیاں پکڑنے کا سامان خریدا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اس بات کو رسول بیت چکے ہوں۔۔۔ پاسکل کا سفید لباس۔۔۔ سین کے پانی میں تیرتی ہوئی ساکن کنڈیاں۔۔۔ جانے کب کی بات تھی۔۔۔

آج شب پھولوں کے انباروں سے بھرے ہوئے لکڑی کے کھوکھے بند پڑے تھے اور پورا بازار ویران تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے ویران کھوکھوں کو دیکھ کر گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ دن کے وقت یہاں ہر سو خوشبو ہوتی ہے اور رنگ بکھرتے ہیں۔ بازار کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں جن کے سوکھے ہوئے پتے ادھر ادھر بھرے پڑے تھے۔ ایک کھوکھے کے باہر چند شکستہ کریاں رکھی تھیں۔ سنان اور پاسکل وہیں بیٹھ گئے۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ پیرس کے ہنگاموں میں سکون کا ایک اجاڑا۔۔۔

جزیرہ۔۔۔

سنان نے اپنی گھری پر نگاہ ڈالی۔ آٹھ بجئے کو تھے اور اسے ہر صورت دس بجے تک شیش پر پہنچ جانا چاہیے۔ وہ جینی کی پارٹی کے بارے میں یکسر بھول چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے ہر صورت پاسکل کو اپنی روائی کے بارے میں بتا دیتا چاہیے۔۔۔ ورنہ وہ پورے وقت شیش پر نہ پہنچ پائے گا اور اگر آج پیرس سے نہجا

کا تو ہو سکتا ہے کل بھی نہ جاسکے — آئندہ کبھی بھی نہ جاسکے —

”پاکل“ نان نے اس کی تھوڑی تلنگی رکھ کر اس کا خوبصورت چہرہ اپنی جانب دیکھا۔ نیلی آنکھیں بالکل خلک تھیں ”میں آج صبح سے تمہیں ایک نہایت اہم بات بتانا چاہتا تھا — مگر اس شرط پر کہ تم —“

”تمہیں شرطیں عائد کرنے کی ضرورت نہیں ننان!“ پاکل نے بالکل سپاٹ لے جئے میں کہا ”مجھے معلوم ہے کہ تم پیرس چھوڑ کر جا رہے ہو“ اور اس کا ہاتھ ہٹا کر سرجھکا کر بیٹھ گئی۔

”لیکن تمہیں اس بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟“ نان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”مجھے؟ — میں ایک نارمل لڑکی نہیں ہوں اس لیے دوسرے لوگوں کا رویہ بھی میرے ساتھ نارمل نہیں ہوتا۔ وہ کبھی بھی میرے ساتھ کھل کر بات نہیں کرتے۔ انی لوگوں کے رویے نے میرے اندر ایک ایسی حس کو جنم دیا ہے کہ جب بھی مجھے کوئی چھوڑنا چاہتا ہے تو مجھے خود بخود علم ہو جاتا ہے — آج صبح سے ہی تمہارا رویہ میرے ساتھ نارمل نہیں تھا۔ تم ضرورت سے زیادہ خاموش تھے۔ — جب بھی بات کرتے اس میں درشتگی ہوتی اور پھر بار بار مجھے اپنی زندگی پر قیامت کرنے کی تلقین کا آخر کیا جواز ہو سکتا تھا؟ — یہی ناکہ تم میرے پاس نہیں رہو گے اور مجھے یہ زندگی تمہارے بغیر ہی گزارنا ہو گی۔“

”میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتا دیا تھا کہ میں کسی صورت بھی پیرس میں نہیں ٹھہر سکتا۔“

”ہاں تم نے تو مجھے بتا دیا تھا۔ لیکن کیا میں نے تمہارے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا؟ میں نے تمہیں کہا تھا ناکہ نان مجھے ایک خوشی ملتی ہے تو میں اس کے دوسرے سرے پر جا کر ایک اور خوشی حلاش کرتی ہوں اور پھر اس طرح میرا جی چاہتا ہے کہ خوشیوں اور مسرتوں کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو — انسان اپاچ ہو یا نارمل اس کی

فطرت تو نہیں بدلتی۔ مجھے تم سے کوئی دلکشی نہیں۔ تم نے کبھی بھی مجھے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ میں ان چند دنوں میں جہاں اتنی خوش تھی وہاں تم سے جداگانہ کا خیال بھی میرے ذہن میں کائنے کی طرح پوست تھا۔ میں نے اس کائنے کو نکال دینے کی بہت کوشش کی۔ میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میں اپنے آپ کو تم سے جداگانہ کے لیے تیار نہیں کر سکی۔ کتنے بجے جا رہے ہو؟“

”غرناطہ جانے والی گاڑی رات دس بجے پرس کے شیشیں سے چلتی ہے“ سنان نے سرچھکا کر کہا۔ ”پاسکل سوچ تو سی مجھے آخر ایک روز تو یہاں سے جانا ہی تھا“ وہ احساس نہ امت تلے دبا جا رہا تھا۔

”تم بھی ٹھیک کرتے ہو اور ادھر میں بھی یہ نہ سوچ سکی۔ میں یہ نہ سوچ سکی کہ تم ایک سیاح ہو اور سیاح کسی تم کے بندھنوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور پھر اپنے بندھنوں کو؟ میں نے ساری عمر ایک مفرور مجرم کی ماں لد لوگوں کی نظروں سے بچنے میں گزاری ہے۔ میں کسی پر بھروسہ نہ کر سکی تھی۔ ممکن ہی نہ تھا اور پھر میں نے اپنی ایک علیحدہ دنیا بیالی جس میں صرف خوابوں کے لوگ بیتے تھے۔ تم نے خواب کی اس دنیا سے مجھے نکال کر باہر لا کھرا کیا۔ میری آنکھیں چند حیا گئیں۔ مجھے کبھی اتنی روشنی نہ ملی تھی۔ اور جب۔ جب میری آنکھیں اس چکا چوند روشنی کی عادی ہو چلی تھیں تم پھر مجھے انی اتحاد گھرائیوں میں لوٹ جانے کا کہہ رہے ہو؟ میں آج ایک مرتبہ پھر بے بس اور لنگری محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے پہلے کی طرح لوگوں کی نظروں سے چھپ کر زندگی گزارنا ہو گی۔ ایک مفرور مجرم کی طرح“ پاسکل کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اور وہ بڑے اطمینان سے باتیں کر رہی تھی۔

”تم اب کبھی ان اتحاد گھرائیوں میں نہیں ڈوبو گی۔“ تم کبھی بھی اس خواب کی دنیا میں واپس نہیں جاؤ گی“ سنان نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ”تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہیں دیکھ کر کسی بوڑھی عورت نے کھسر پھر نہیں کی۔ اسی نوجوان لڑکی نے ناک بھوٹ نہیں چڑھائی اور کسی مرد نے میری عقل پر ماتم نہیں کیا۔ تمہارا خوف بے

بناہ ثابت ہوا ہے۔“

”تم نہیں دیکھ رہے تھے سنان مگر میرے جسم کو ان لوگوں کی نگاہوں کی تیز سوئیاں چھید رہی تھیں اور یہ سوئیاں — میرا مقدر بن چکی ہیں۔ انہیں میرے جسم سے نوج پھینکنے کے لیے اب کوئی شزادہ نہیں آئے گا۔ میں ایک مرتبہ پھر رحم اور ہمدردی کے جذبات کی بھکاری بن جاؤں گی۔“

”پاسکل“ سنان کی آواز شدت جذبات سے رندھ گئی ”پلیز ایسی باتیں نہ کرو — میں چند روز اور بھی ٹھہر سکتا تھا۔ لیکن اگر میں آج نہ گیا تو کبھی نہ جا سکوں گا۔ پلیز مجھے مت روکو — اور پھر چند ہفتوں میں سردویاں شروع ہو جائیں گی۔ مجھے ہر حالت میں اس سے پہلے ترکی عبور کرنا ہے ورنہ برف گرنی شروع ہو جائے گی۔“ سنان نے نظریں جھکایں۔ اس کا دل ان تمام باتوں کی نفی کر رہا تھا۔

”سردویاں شروع ہو جائیں گی تو کیا ہوا۔ بالآخر ختم بھی تو ہوں گی“ پاسکل نے اس کے دونوں ہاتھ سختی سے بھیجن لیے ”تم موسم بہار میں واپس وطن لوٹ جانا سنان“

”پاسکل —“

”ہاں سنان تم مجھے سینکڑوں مرتبہ باتا چکے ہو کہ تم پیرس میں نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہیں اندرس جانا ہے۔ سردویوں سے پیشتر ترکی عبور کرنا ہے۔ اپنے خاندان کے پاس وطن لوٹنا ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی سنان — تم —“

سنان نے اپنی ہتھیلی پاسکل کے ذنک لبوں پر رکھ دی ”خاموش ہو جاؤ پاسکل۔ مجھے اپنی ہی نظروں میں اتنا نہ گراو۔“

پاسکل نے سنان کا ہاتھ لبوں سے ہٹا دیا ”تم میرے پاس رہ جاؤ سنان —“

”پاسکل —“

”میں دوسروں سے رحم اور ہمدردی کی بھیگ مانگنے کی بجائے تمہارے آگے لکھنوں پھیلائے دیتی ہوں — مجھے بھیک —“

”نہیں۔۔۔“ نان نے ایک دم جھیج کر کما۔

”نان۔۔۔“ پاسکل نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور آنکھیں بند کر لیں ”مت جاؤ۔۔۔“ میں نے تو دنیا کے تمام نقشے جلا دیئے ہیں ”اس کی بند آنکھوں سے آنسو رہنے لگے۔ چاندی کے جھیلے اندھیرے میں نیالے لگ رہے تھے۔

نان کا داماغ دیکھنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا۔ اس کے اندر لاوا اہل رہا تھا۔ ”مت جاؤ نان۔۔۔ مت جاؤ“ یہ اس کے دل کی آواز تھی جو ذہن پر مسلسل ضربیں لگا رہی تھی۔ نقشے بھی جل چکے ہیں۔۔۔ راستے بھی محدود ہو چکے ہیں۔ وہ کیا کرے؟ کیا نہ کرے؟۔۔۔ اس کا داماغ ماذف ہو چکا تھا۔ وہ پاسکل کی طرف خاموشی سے ویکھتا رہا۔ جس کی لامبی پلکیں آنسوؤں سے خود ریتی تھیں۔۔۔ تھوڑی دیر بعد پاسکل نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔ وہ نان کو ٹکنکی باندھے سمجھتی رہی جیسے اس کے دل کی آواز کی منتظر ہو۔۔۔ اور پھر اس کے ہاتھ لرزنے لگے اور اس نے یک دم نان کا چہرہ چھوڑ دیا۔

نان نے دیکھا کہ پاسکل کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ جیسے وہ موم کی نئی ہو۔۔۔ لیکن اس کی اضطراری کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ بے حد پر سکون لگ رہی تھی۔۔۔ جیسے اسے قرار آگیا ہو۔۔۔ وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہو گی۔

”میں کتنی پوچھوں ہوں“ اس کے لبوں پر ایک بھی مسکراہٹ لرزنے لگی۔ ”مجھے معاف کرو نان! میں نے تم سے جو کچھ کہا وہ سب دیوانگی کی باتیں تھیں۔۔۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

نان بھی وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر پاسکل کا ہاتھ تھانے کی کوشش کی۔۔۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

”نہیں نان۔۔۔“ مجھے مت چھوڑ ورنہ میں پھر دیوانگی کی باتیں کرنا شروع کر دوں گی۔۔۔ میں پھر سے بے بس ہو جاؤں گی۔۔۔“

نان ایک مجرم کی مانند کھڑا رہا۔

”تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں سر دیاں شروع ہونے سے پہلے یہ ترکی عبور کرنا ہے
زندہ وہاں بُرنباری شروع ہو جائے گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ موسم سرما کی آمد تمہاری
بُت میرے لیے زیادہ ازیت ناک ثابت ہو گی۔—تب تو میں اپنے کمرے میں قید ہو
رہا جاتی ہوں۔ میرے تمام بدن میں شدت کا درد اٹھنے لگتا ہے۔—جب خزان کا
انہر ہو گا تو میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی فٹ پا تھ پر شاہ بلوط کے تابنے کی طرح
ایک سرخ چپوں کو گرتے دیکھ کر تمہیں یاد کروں گی اور پھر میرا درد کم ہو جائے گا۔“
اس نے آہنگی سے نان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسے اپنے خنک لبوں سے لگا
با ”خدا کرے تم اپنے دلنِ خوبیت سے پہنچ جاؤ۔—خدا حافظ!“

”میں تمہیں ٹیکسی پر گھر چھوڑ آتا ہوں“

”نہیں نہیں“ اس نے پھوپھو کی طرح انکار میں سر ہلايا ”میں انہی دریائے سین
کے کنارے جانا چاہتی ہوں تاکہ مجھے ایک ایک مرتبہ پھر وہاں اکیلی گھومنے کی عادت ہو
جائے“ یہ کہہ کر اس نے نان سے منہ موڑ لیا اور پھر بے حد آہستہ آہستہ پھولوں کے
بازار کے درمیان چلتے گئی۔ ہر طرف خاموشی اور دریانی تھی۔ صرف چپوں کی
کفر کمراہت۔ ان کے کچلے جانے کی سکیاں۔ سوکھے ہوئے خزان ریسیدہ پتے۔ وہ
بھی طرح لٹکڑا رہی تھی۔ وہ ایک قدیم روشنی کے کمبے کے پاس سے گزری۔ اس کے
پاندی کے جھمکے چکے اور اسی لمحہ پھر دھنڈ لگئے۔ پا سکل اس سے دور ہوتی گئی اور وہ
ایں بت بنا کمرا اسے دیکھتا رہا۔ کھوکھوں کی خالی قطاروں کے درمیان پا سکل کا گھستتا
ہوا خوبصورت پاؤں سوکھے چپوں کو سمجھتا چلا جا رہا تھا۔ بازار کے سرے پر پہنچ کر وہ
ایک لمحہ کے لیے رکی۔ اور پھر پہنچے دیکھے بغیر دائیں ہاتھ پر دریائے سین کو جاتی
اکی سرک پر مڑ گئی۔

خاموشی مکمل ہو گئی۔ اجرے ہوئے خزان رسیدہ پتے مردہ پڑے تھے پھولوں کا بازار دھنلا رہا تھا۔ سان کی آنکھوں میں نمی کی بکلی سی تیرنے لگی۔ اس نے جب سے رومال نکلا اپنے آنسو پوچھے اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور سارا وجود تپ رہا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا جسم دھکتی ہوئی آگ میں جھوٹک دیا گیا ہو۔ ایک جگہ رہنے سے ہی۔ ساکت ہونے سے ہی پھول جینی کی آواز گوئی۔ میں نے آج نقصہ کو جلا دیا ہے۔ اپنے دشمن کو۔ اس کے ذہن میں آوازیں گذشت ہوتی چلی گئیں۔ پاسکل دریا کے کنارے اکیلی ہو گی۔ وہ مر جائے گی۔ نہیں مجھے وطن واپس جانا ہے۔ ترکی میں برف باری شروع ہو جائے گی۔ میرے ماں باپ، بہن بھائی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں سیاح ہوں۔ ایک جگہ رہنے سے میرے پاؤں نہیں میں دھنس جائیں گے۔ ایک جگہ رہنے سے ہی پھول کھلتے ہیں۔ پھول۔ زرد گلاب! جانے وہ کب اور کیسے اپنے مکان تک پہنچا۔ اس نے رک کر گھری کے چکنے ہوئے ڈائل پر نظر ڈالی۔ شاید نوع رہے تھے۔ وہ بچے گاڑی۔ وہ تیزی سے میدھیاں طے کر کے کمرے میں آگیا۔ اور اپنے بکھرے ہوئے سامان کو تھیلے میں ٹھوننے لگا۔

اسی وقت جینی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔
”سان تم۔“

”کیا ہے؟“ سان نے ایک دم پٹک کر اپنی جلتی ہوئی آنکھیں جینی پر جما دیں۔

ننان تم نے وعدہ کیا تھا کہ — جینی کے لبجے میں خوف تھا۔
 میں نے کسی سے کوئی وعدہ نہیں کیا — میں کسی کی دل آزاری نہیں چاہتا
 تھا — پھر مجھے ہر کوئی مجرم کیوں سمجھتا ہے! — کیوں؟ کیوں؟“
 جینی تھنک گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ ”میری سیلیاں
 تم سے ملنا چاہتی ہیں — میں آٹھ بجے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں —
 پارٹی —“

”جینی! یہاں سے چلی جاؤ۔“
 لیکن میری پارٹی! اس کی زبان میں لکنت تھی۔
 ”چلی جاؤ“ سنان دھاڑا۔
 جینی چپکے سے باہر نکل گئی۔

ننان دوبارہ اپنا سامان پیک کرنے میں مگن تھا — پاسپورٹ — شیونگ کا
 سامان — تولیہ، سلپر — رات کے سفر کے پیش نظر اس نے کوٹ کے نیچے ایک
 سویٹر پہن لیا — سفری کتابچے — سکارف ٹائی۔ سفید ٹائی پر ایک ہلکا سارخ نشان
 تھا — پاسکل کی لپ سنک کا نشان — ننان نے ٹائی ملے کے بغیر تھیلے میں پھیک
 دی — تھیلا بند کرنے سے قبل اس نے کمرے میں ایک طاڑانہ نظر ڈالی۔ کہیں کوئی
 چیز رہ نہ گئی ہو پنگ کے ساتھ تپائی پر ایک کتاب رکھی تھی — پاسکل کی دی
 ہوئی — ننان نے نہ چاہتے ہوئے بھی ورق الٹ کر دیکھا ”شزادے کے نام —
 بد صورت لوگوں کو بھی محبت جیسے جذبے کی چاہت ہوتی ہے۔ مگر ان کا دل اس بات کو
 نہیں مانتا کہ وہ صرف اس وجہ سے محبت سے محروم کر دیئے جائیں — پیرس کی
 پاسکل کی طرف سے پیار کے ساتھ۔“ ننان نے کتاب کو ایک دم اپنے تھیلے میں یوں
 ڈال دیا جیسے کتاب سفید کافنڈ کی بجائے دیکھتے ہوئے تائبے کی ہو۔ خزانہ رسیدہ شاہ
 بلوط کے چوں کی رنگ کی — اس نے سامان کا ندھر سے پر رکھا اور کمرے سے باہر نکل
 آیا۔

جینی اپنے دروازے کی اوٹ میں کمری تھی۔ اسے دیکھتے ہی باہر کھل آئی۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔ کرے میں بکھی سی روشنی تھی چڑکیاں صوف پر بیٹھی تھیں۔ ان سب کی نظریں سنان پر گلی تھیں۔ سنان آج تو تمہارے اپنے ڈبے کی کافی بھی ختم ہو گئی ہے ورنہ تھیں جانے۔ پسلے ایک پیالی ضرور بنا کر دیتی جینی نے آگے بڑھ کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں نہ تھی "میری ایک سیلی کے پاس کا رہے۔ اگر تم چاہو تو۔"

”نہیں جینی شکریہ!“ سنان نے اس کی جانب دیکھے بغیر کما اور آگے چلنے لگا۔
 ”تماری سخت کا جام“ جینی نے ہاتھ میں تھاما ہوا گلاس حلقت میں انٹریل لیا۔
 ”سیر ہیاں دیکھ کر اتنا سنان۔— پچھلی شب کی کرچیں ابھی تک بکھری پڑی ہیں۔
 کہیں کوئی ٹوٹا ہوا شیشہ تمارے پاؤں میں چھپ نہ جائے۔— سفر بیگر“ سنان قدر۔
 مٹھکا۔— اور پھر تیزی سے پیچے اتر گیا۔

مکان سے باہر نکلتے ہی اسے ٹیکی مل گئی اور وہ اس میں سوار ہو کر پیرس کے شیشن پر آگیا جہاں پلیٹ فارم پر ہسپانیہ جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی اس۔ غرباطہ تک کا ٹکٹ خریدا اور ڈبے میں سامان رکھ کر گاڑی کے دروازے پر آ کر ہوا۔ اس کی نظریں بے اختیار پلیٹ فارم کے آخر میں داخلے کے پھانک پر لگ گئیں۔ پلیٹ فارم پر خاصی گھما گئی تھی لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو الوداع کئے آئے تھے۔ برقی روشنیوں سے پورا شیشن منور تھا اور یہ گلکان بھی نہ ہوتا تھا۔ رات کے وسیں بجتے کو ہیں۔

سر زمین انڈس کی طرف سفر کرتے ہوئے اس کا دل خوشی سے بھر پور ہونا چاہتے تھا مگر آج اس ڈور میں جھول آپکا تھا جس نے سنان کو اب تک اپنے سے فراہم کے ایوانوں اور قرطباہ کے محرابوں سے پاندھ رکھا تھا۔ اس کے ذہن میں مرغ پاک کا بھولا بھالا اداں چڑھا اور ابھرتا — ابھرتا اور ڈوب جاتا — جیسے وہ خیالوں میں بھی لٹنگدا رہی ہو۔ انگلستان سے فرانس آتے ہوئے شیر کے عرش پر ٹھٹھے

ہوا سرخ کوٹ۔ بوجے ڈی بولون میں سین کے کنارے ایک چمکیلا دن اور ایک پرنوں شام۔ اور پھر کئے ہوئے بازوں کی وینس کا مجسم جس نے اسے رلا دیا تھا۔ وہ انہی خیالوں میں گمن تھا کہ انجن نے وسل دے دی۔ پلیٹ فارم پر کمرے سافر جلدی سے گاڑی میں سوار ہونے لگے۔ سنان کی نظریں ابھی تک داخلے کے چھانک پر گلی تھیں۔ وہ یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ وہ وہاں دروازے کے ساتھ لگ کر اس چھانک پر کیوں نظریں جائے ہوئے ہے۔ انجن کے دیوڑا دیوڑ پسے آہستہ سے سر کے اور پھر گاڑی کے ڈبے آپس میں بھڑ کر حرکت میں آگئے۔ مسافروں کو الوداع کئے والوں کا رخ اب باہر جانے والے چھانک کی طرف تھا۔ پلیٹ فارم خالی ہو رہا تھا وہاں نصب روشنی کے سمجھے بھی حرکت میں تھے۔ سنان بھی اپنی نشست پر واپس جانے کے لیے پچھے ہٹنے کو تھا کہ پلیٹ فارم کے آخر میں ہجوم کے درمیان اسے پاسکل کا چڑھ دکھائی دیا۔ سرخ کوٹ اور چاندی کے بھمکوں کے درمیان ایک چڑھ زرد۔ وہ ہجوم کو چیرتی۔ دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو دھکیلتی اس انبوہ کیش کے درمیان راستہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سنان دروازے سے اتر کر پائیدان پر کھڑا ہو گیا۔ ”پاسکل!“ سنان نے پوری قوت سے پکارا۔

وہ لمحہ کے لئے ٹھنکی۔ اس کی نظریں گاڑی کی کھڑکی اور دروازے میں سے جھانکتے ہوئے چڑھوں پر چھلتیں سنان پر آ رکیں۔ اس نے ایک بھرپور کوشش سے اپنے آپ کو ریلے سے آزاد کیا اور سنان کی جانب دوڑنے کی کوشش کرنے لگی، وہ ایک ہاتھ سے اپنی ران کو دبائے تیز بھانگنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کا دوسرا ہاتھ سختی سے لیوں پر جما ہوا تھا۔ وہ بری طرح لنگدا رہی تھی۔ اس کے پاؤں اس کے جسم کے پچھے گھمٹتے چلے آ رہے تھے گاڑی کی رفتار اگرچہ ابھی بے حد کم تھی لیکن ناصلہ بندرتیج بڑھ رہا تھا۔ سنان کا جی چاہا کہ وہ اپنا سامان وغیرہ ڈبے میں ہی چھوڑ کر پلیٹ فارم پر چھلانگ لگادے تاکہ پاسکل بھانگنے کی انتت سے بچ جائے۔ پاسکل بھاگنا بند کرو۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر زور سے کہا۔ لیکن وہ شاید

سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کا سر
میں سے خارج ہوتی ہوئی ہوا کے زندگی
کو مضبوطی سے پکڑا اور خطرناک حادثہ
دیا۔ اس کے لب مل رہے تھے
حسیب گزر گزرا ہٹ میں اس کی آواز و
اس کا خوبصورت گول چہرہ آنسوؤں
ان کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا۔
بری طرح لنگڑا رہی تھی۔ اس نے
دیا۔

پاسکل خدا کے لیے دوڑنا بند کر
پھر اسے پکارا۔

ادھر اسی لمحے وہ دھڑام سے پلاں
کی کوشش کی اور نہ ہی سنان کی جانب
ہوئے تھا جس کے درمیان پاسکل ایک
پڑی تھی۔ گاڑی پلیٹ فارم سے باہر
طرح دکھائی دے رہی تھی۔ آہستہ
اور پھر سرخ کوٹ رات کی تاریکی میں
گیا جو بالآخر سنان کی نظروں سے غائب